بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعضاء کی پیوند کاری--اسلامی نقطۂ نظر

محمد رضی الرحمن قاسمی

raziqasmi@gmail.com

موجودہ دور میں میڈیکل سائنس نے خاصی ترقی کر لی ہے، وہ امراض جو پہلے لاعلاج سمجھے جاتے تھے، ان سے بھی شفایابی کے لیے دوائیں بن گئی ہیں، اور نت نئے طریقہ ہائے علاج سے انسانیت استفادہ کر رہی ہے، ان میں سے ایک، محفوظ طریقے سے وسیع پیمانے پر اعضاء کی پیوند کاری بھی ہے۔ تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محدود پیمانے پر بعض اعضاء مثلاً دانت اور جسم کی کھال وغیرہ کی پیوند کاری کے ذریعے علاج قدیم زمانے سے رائج ہے؛ بلکہ بعض تاریخی روایات کے مطابق ہمارے ملک ہندوستان کو کھال کی پیوند کاری کے ذریعہ علاج میں اولیت حاصل ہے۔(تاریخ زرع الاعضاء فی الانسان، مجلہ تاریخ العرب والعالم ، العدد 42 ، جمادی الثانی، ص: 36)

اعضاء کی پیوند کاری کی صورتیں اور اقسام

اعضاء کی پیوند کاری کی بنیادی طور پر چار صورتیں ہوتی ہیں: (1) جمادات و نباتات سے بنے ہوئے اعضاء کو انسانی جسم سے جوڑنا۔ (2) حیوانات کے اعضاء سے پیوند کاری۔ (3) خود انسان کے اپنے اعضاء سے پیوند کاری (4) کسی انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے اعضاء کی پیوند کاری۔

جمادات و نباتات سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری

جمادات و نباتات سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے، جیسے لکڑی کا ہاتھ پاؤں لگالینا، پتھر وغیرہ کا دانت لگالینا، وغیرہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے ساری کائنات کو انسانوں کے نفع کے لیے بنایا ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة: 29) اور انسانوں کے لیے ان اشیاء سے مباح فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دیا گیا ہے؛ بلکہ بعض و نباتات و جمادات جن سے عام حالت میں استفادہ درست نہیں ہے، ان سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری کو بھی شریعت نے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ عام حالت میں مردوں کے لیے سونے کا استعمال درست نہیں ہے؛ لیکن

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی عرفجہ بن سعد کو سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا، جب کہ ان کی ناک ایک جنگ میں کٹ گئی تھی، اور انھوں نے چاندی کی ناک لگائی تھی، جس سے بدبو آنے لگی تھی۔

أُصيبَ أنفي يومَ الكِلابِ في الجاهليَّةِ فاتَّخَذتُ أنفًا من ورِقٍ فأنتنَ عليَّ ، فأمرَني رسولُ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ عليهِ وسلَّمَ أن أتَّخِذَ أنفًا من ذَهَبٍ. (ترمذی، کتاب اللباس، حدیث نمبر: 1770 ۔ ابوداؤد، باب الخاتم، حدیث نمبر: 4232)

حیوانات کے اعضاء کی پیوند کاری

حیوانات کو بھی اللہ تعالی نے انسان کے فائدے اور منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (النحل:5)۔ لہذا علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حیوانات کے اجزاء سے پیوند کاری درست ہے؛ البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ماکول اللحم جانور (جس جانور کا گوشت کھانا درست ہے) کے اعضاء سے علاج ممکن ہو تو اسی کو استعمال کیا جائے، اگر اس کے اعضاء بوقت ضرورت فراہم نہ ہو سکیں یا ان سے علاج ممکن نہ ہو، تو ان حیوانات کے اعضاء واجزاء کو استعمال کیا جائے، جو ذبح کے ذریعہ پاک ہو جاتے ہیں، آخری صورت میں نجس العین جانور کے اعضاء واجزاء کے استعمال کی گنجائش ہے، جب کہ علاج کے لیے وہی متعین ہو جائے، اس لیے کہ حلال وپاک اشیاء کے رہتے ہوئے ناپاک اشیاء سے علاج درست نہیں ہے؛ البتہ مجبوری اور ضرورت کی حالت اس سے مستثنی ہے۔(الدر المختار مع الرد : 1 / 360 – 366 ، باب المیاہ)

انسان کی اس کے اپنے اعضاء سے پیوند کاری

انسان کے اپنے کسی کٹے ہوئے عضو کو جوڑ دینے یا اس کے کسی عضو یا جز کو ایک جگہ سے لے کر خود اسی کے جسم میں دوسری جگہ پر پیوند کاری کے سلسلے میں فقہاء کے دو نقاط نظر ہے یں:

حضرت امام ابو حنیفہ اور امام محمد اسے ناجائز سمجھتے ہیں؛ اس لئے کہ عضو جسم سے جدا ہو جانے کے بعد میت اور مردار کے حکم ہو جاتا ہے؛ لہذا اسے دفن کرنا واجب ہے، جس طرح کہ خود انسان مر جائے تو اسے دفن کر دینا واجب ہو جاتا ہے، اسے دوبارہ استعمال میں اس سے انحراف پایا جاتا ہے۔

فإذا انفصل أستحق الدفن كله ، والإعادة حرف له عن جهة الإستحقاق. (بدائع الصنائع: 4/ 316، آخر كتاب الاستحسان)

یہی رائے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے،(روضة الطالبين: 9/ 197) ،اور یہی حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول ہے۔(المغنى : 543/1)

دوسرا نقطۂ نظر اس کے جواز کا ہے، یہ احناف میں سے حضرت امام ابو یوسف کا مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اعضاء انسانی سے انتفاع کے درست نہ ہونے کی وجہ تکریم انسانیت ہے، یعنی اس سے انتفاع انسانیت کی توہین ہے؛ لیکن اپنے عضو سے انتفاع میں کوئی توہین نہیں پائی جاتی ہے۔

إن إستعمال جزء منفصل من بني آدم إهانة بذلك الغير، والآدمي بجميع أجزائه مكرم، ولا إهانة في إستعمال جزء نفسه في الإعادة إلى مكانه . (بدائع الصنائع: 4/ 316)

حنابلہ کی یہی مفتی بہ رائے ہے۔(المغنى: 1 / 543) شوافع میں سے ماوردی اور نووی رحمہا اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔(مغنى المحتاج : 1 / 90، الحاوى الكبير: 1 / 58).

بعض دلائل کی بنیاد پر دوسرا قول پہلے کے مقابلے میں راجح معلوم ہوتا ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک جنگ میں ان کی آنکھ کا ڈھیلا نکل آیا، وہ اسے ہاتھ میں لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے صبر کی تلقین فرمائی؛ لیکن انہوں نے ایک عذر بیان کر کے یہ فرمایا کہ اس کا صحیح ہو جانا میں اپنے لئے زیادہ مفید سمجھتا ہوں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دست مبارک سے آنکھ کے ڈھیلے کو اس کے حلقے میں رکھ دیا، اور وہ آنکھ صحت مند ہو گئی۔

عن قتادة أنه قال «كنت يوم أحد أتقي السهام بوجهي عن وجه رسول الله ﷺ فكان آخرها سهما ندرت منه حدقتي، فأخذتها» أي رفعتها «بيدي أي وقلت: يا رسول الله إن لي امرأة أحبها وأخشى أن تراني تقذرني أي وقال له إن شئت صبرت ولك الجنة، وإن شئت رددتها ودعوت الله تعالى لك، فقال: يا رسول الله إن الجنة لجزاء جزيل، وعطاء جليل، وإني مغرم بحب النساء. وأخاف أن يقلن أعور فلا يردنني، ولكن تردها وتسأل الله تعالى لي الجنة فردها ودعا لي بالجنة.« (السيرة الحلبية: 2 / 252، المستدرك للحاكم: 3/ 334 رقم :5281)

عضو کے جسم سے جدا ہونے کے بعد اگر اس کو جوڑنا اور اس کی پیوند کاری درست نہیں ہوتی، تو حضور ﷺ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے آنکھ کے ڈھیلے کو اس کے حلقے میں نہیں رکھتے؛ بلکہ اسے دفن کر دینے کا حکم فرماتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کٹے ہوئے عضو کو مردہ انسان پر قیاس کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ واجب الدفن ہے، اسی طرح کٹا ہوا عضو بھی واجب الدفن ہے؛ لیکن اگر کوئی انسان معجزہ یا کرامت کے طور پر - بحکم خداوندی - دوبارہ زندہ ہو

جائے، تو کیا پھر بھی وہ واجب الدفن ہو گا، یقیناً نہیں؛ لہذا جب کٹے ہوئے عضو کی پیوند کاری کی جاتی ہے اور وہ ایک وقت کے بعد جسم کا ایک حصہ بن جاتا ہے، تو وہ بھی میت کے حکم میں باقی نہیں رہتا ہے؛ بلکہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ اسے جسم سے جدا ہی نہیں کیا گیا؛ لہذا اسے بھی واجب الدفن نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کی پیوند کاری کو جہت استحقاق سے پھیرنا قرار دیا جانا چاہیے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کی بات شرح مقدسی کے حوالے سے نقل فرمائی ہے:

وفي شرح المقدسي قلت :والجواب عن الإشكال أن إعادة الأذن وثباتها إنما يكون غالباً بعود الحياة إليها، فلا يصدق أنها مما أبين من الحى لأنها بعود الحياة إليها صارت كأنها لم تبن، ولو فرضنا شخصا مات ثم أعيدت حياته معجزة أو كرامة لعاد طاهرا. (رد المحتار: 1/ 361، كتاب الطهارة، باب المياه)

فتویٰ اس سلسلے میں دوسرے ہی قول پر ہے اور عام طور سے علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری

اعضاء کی پیوند کاری کی چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک انسان کے عضو کی دوسرے کے جسم میں پیوند کاری کی جائے، اس سلسلے میں علماء کے دو نقاط نظر ہیں: ایک بڑی جماعت چند شرائط کے ساتھ اس کے جواز کی قائل ہے، اور علماء کی ایک معتد بہ تعداد اس کے عدم جواز کی بھی رائے رکھتی ہے۔

فریقین میں سے کسی کی رائے مزاج شریعت کے زیادہ موافق ہے اور اس میں شرعی دائرے میں رہتے ہوئے لوگوں کی ضرورت کو بھی زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے؟ اس کو جاننے کے لئے چند باتوں کی توضیح ضروری ہے، اس لیے کہ ان ہی امور میں اختلاف کی وجہ سے اس مسئلے میں دو نقاط نظر ہوئے ہیں۔ (1) کیا انسان کا کٹا ہوا عضو ناپاک ہے؟ (2) انسان کو اپنے جسم میں کس قدر تصرف کا اختیار ہے؟ (3) کیا انسان کے عضو کی پیوند کاری اس کی توہین ہے؟ کیا ضرورت کے وقت بھی اس کی گنجائش نہیں ہے؟ (4) کیا یہ سد ذریعہ کے طور پر حرام نہیں قرار دیا جا سکتا؟ کیوں کہ یہ انسانی اسمگلنگ اور اعضاء کے خرید و فروخت کا سبب بنتا ہے۔

1- اب جہاں تک انسان کے کٹے ہوئے عضو کی پاکی و ناپاکی کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلے میں مالکیہ کا مسلک (الشرح الكبير: 1/ 54) حنابلہ کی مفتی بہ رائے (المغني: 1/ 543) اور شوافع میں سے ماوردی اور نووی کا مسلک (الحاوي الكبير: 58/1 ، مغني المحتاج: 1/ 80) اس کی پاکی کا ہے، احناف کے یہاں تفصیل یہ ہے کہ جن اعضاء میں خون نہیں سرایت کرتا ہے، مثلاً ہڈی بال وغیرہ وہ ہر صورت میں پاک رہتے ہیں؛ البتہ جن اعضاء میں بہنے والا خون رہتا ہے، وہ کٹنے کے بعد ناپاک ہو جاتے ہیں۔ (بدائع الصنائع: 1/ 199 - 200) احناف کے یہاں

ایک قول دوسرے قسم کے اعضاء کے بھی کٹنے کے بعد پاکی کا ہے۔واختلف في أذنه، ففي البدائع نجسة، وفي الخانية: لا. (الدر المختار مع الرد: 361/1، كتاب الطهارة، باب المياه)

تیسرا قول یہ بھی ہے کہ کٹے ہوئے اعضاء خود ان کے حق میں، جن کے اعضاء ہیں، پاک ہیں، دوسروں کے حق میں ناپاک ہیں،(حواله سابق)دوسرے قول کے مطابق کہ اعضاء کٹنے کے بعد بھی پاک ہی رہتے ہیں، اعضاء کی پیوند کاری کو تداوی بالنجس (ناپاک چیز سے علاج کرنا) کہہ کر اسے ناجائز نہیں کہا جاسکتا ہے۔ پہلے قول کے مطابق بھی - جسے راجح قرار دیا گیا ہے - اعضاء کی پیوند کاری کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ فقہاء نے مضطر سے متعلق آیات اور حدیث عرفجہ وغیرہ کی وجہ سے ضرورت اور مجبوری کے وقت تداوی بالنجس کو جائز قرار دیا ہے۔ يجوز للعليل شرب البول والذم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه، و إن قال الطبيب: يتعجل شفائك، فيه وجهان. (الكفاية على هامش فتح القدير: 501/8).

2- انسانی جسم انسانوں کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے عطیہ ہے، وہ اس کا مالک نہیں؛ بلکہ امین ہے؛ لیکن یقیناً امین ہونے سے مراد فقہ کی اصطلاح والا امین نہیں ہے؛ کیونکہ اسے مال امانت میں کسی طرح کے تصرف کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی ہے۔ اور انسانوں کے ساتھ اس کے جسم کے تعلق سے ایسا معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ بعض تصرف کی اسے اجازت ہے اور بعض کی ممانعت ہے۔ چنانچہ انسان کو اس بات کی اجازت ہے کہ ہاتھوں سے کام کرے، پاؤں سے چلے، کان سے سنے اور دوسرے اعضاء کو اپنی ضرورتوں میں استعمال کرے۔ چنانچہ احکام شرعیہ کی روشنی میں جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ امین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے جسم میں ایسے تصرف کا اختیار نہیں ہے، جو اس کے لیے مضر اور جان لیوا ہو؛ چنانچہ خودکشی حرام ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (نساء: 29) موجب ہلاکت عمل حرام ہے۔ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (بقرة: 195) غیر مضر تصرف - جیسا کہ ذکر کیا گیا- ممنوع نہیں ہے، یہ تو عمومی احوال کا حکم ہے، خصوصی احوال کے سلسلے میں ہمیں اس حدیث سے روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال یا مال کی حفاظت کی خاطر مزاحمت کرے اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہ شہید ہے، منْ قُتِل دُونَ مالِهِ فهُو شَهيدٌ، ومنْ قُتلَ دُونَ دمِهِ فهُو شهيدٌ، وَمَنْ قُتِل دُونَ دِينِهِ فَهو شهيدٌ، ومنْ قُتِل دُونَ أَهْلِهِ فهُو شهيدٌ. (سنن ترمذي: ابواب الديات..، حدیث نمبر: 1421) باوجودیکہ اس شخص نے ایسا کام کیا، جو موجب ہلاکت ثابت ہوا، مگر اسے ممنوع نہیں؛ بلکہ محمود قرار دیا گیا ہے۔

شریعت کے ان جیسے احکام کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے کہ سخت ضرورت کے وقت انسان کے ایسے عضو کی منتقلی کے ذریعے دوسرے کی جان بچالینا، جس کی منتقلی موجب ہلاکت یا سخت ضرر کا باعث نہ ہو، کیا شرعاً تصرف غیر محمود ہے؟ آگ میں جھلستے ہوئے شخص کو اپنا ایک ہاتھ ضائع کرکے بچانا ممکن ہو، تو کیا اسے بچایا جائے گا یا جھلستا چھوڑ دیا جائے گا؟ الغرض عام حالت میں معمولی مضر تصرف کی بھی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن خصوصی احوال میں شریعت نے کچھ؛ بلکہ بہت حد تک معاملے میں نرمی رکھی ہے۔

3- تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو ظاہری و معنوی ہر اعتبار سے دوسری مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے؛ چنانچہ اسے سب سے اچھے سانچے میں ڈھالا ہے۔ (التین: 4) اور اسے شرافت و کرامت سے سرفراز فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (الإسراء: 70). چنانچہ یہ بات یقینا انسانی شرافت و کرامت کے منافی ہے کہ جس طرح دوسری اشیاء اور مخلوقات سے انسان کو استفادے کی اجازت دی گئی ہے، اسی طرح اس کے اعضاء سے بھی انتفاع کیا جائے اور اس کے اجزاء کو استعمال کیا جائے؛ لہذا فقہاء نے اسی طرح کی آیات و احادیث کی روشنی میں انسانی اعضاء اور اس کے اجزاء سے انتفاع کو حرام قرار دیا ہے۔ الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز ؛ لنجاسته، وقيل للكرامة، و هو الصحيح. (المبسوط: 15/ 125، نیز دیکھئے: منحة الخالق على البحر الرائق: 1/ 180، كتاب الطهارة)

یہ عمومی حکم ہے، البتہ اس میں بھی مستثنیات ہیں، چنانچہ بچے کی زندگی کے تحفظ کے لیے عورت کا دودھ - جو کہ اس کا جز ہے - کو پلانا درست ہے، نکاح کے ذریعے عورت و مرد کو ایک دوسرے کے اعضاء سے نہ صرف انتفاع کی اجازت دی گئی ہے؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے؛ کیونکہ نسلِ انسانی کی بقاء کے لئے یہ ایک ضرورت ہے۔ ان جزئیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالت میں تو انسانی اعضاء و اجزاء سے انتفاع درست نہیں ہے؛ لیکن ضرورت کی وجہ سے الضرورات تبيح المحظورات کے قاعدے کے مطابق شرعاً اس کی اجازت ہے، اور ایسے موقع پر کرامت کے پہلو پر ضرورت کو ترجیح حاصل ہوگی اور خاص طور سے جب حفظ جان کا مسئلہ ہو تو اس کے لئے دوسرے انسان کی تکریم کو یقینی طور پر نظر انداز کر دیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ سمرقندی رقمطراز ہیں:

لو أن حاملا ماتت، و في بطنه ولد يضطرب، فإن كان غالب الظن أنه ولد حيا، وهو في مدة يعيش غالبا، فإنه يشق بطنها؛ لأن فيها إحياء الآدمي، فترك تعظيم الآدمي أهون من مباشرة سبب الموت. (تحفة الفقهاء: 3/ 342)

الحاصل اصل تو کرامت کی وجہ سے اعضاء و اجزاء انسانی سے انتفاع کا ناجائز ہونا ہے، البتہ ضرورت کی وجہ سے اور خاص کر انسانی جان کی بقا کے لیے غیر مضر انتفاع کی گنجائش ہے، چنانچہ فقہی قاعدہ ہے: يختار أهون الشرين۔ لہذا کرامت کو بنیاد بنا کر اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز کی بات درست نہیں معلوم ہوتی ہے۔

4- چوتھی بات یہ ہے کہ حرام کا وسیلہ اور اس تک پہنچانے کا ذریعہ بھی حرام ہوتا ہے، چنانچہ اجنبیہ سے جنسی تعلق حرام ہے، تو اس کی طرف دیکھنا، اسے چھونا اور اس سے بوس و کنار بھی ممنوع ہے؛ کیونکہ یہ سب اس کے وسیلے ہیں۔

یہ اندیشہ کیا جاتا ہے؛ بلکہ اطلاعات کے مطابق یہ ہو بھی رہا ہے کہ پیوند کاری کے لیے اعضاء کی فراہمی کی خاطر بس خدا ناترس افراد اور سماج دشمن عناصر انسانی جان تک لے لیتے ہیں؛ تاکہ اس کے اعضاء فروخت کرکے دنیا کے حقیر ٹکے حاصل کرلیں، سوال یہ ہے کہ کیا اعضاء کی پیوند کاری کا جواز اس کے لئے ایسا سبب ہے جو سد ذریعہ کے تحت آتا ہو؟

ذرائع کے احکام

حکم کے اعتبار سے ذرائع کے چار درجات کیے گئے ہیں:

1- جو یقینی طور پر کسی خرابی کا ذریعہ بنتا ہو جیسے کسی کے دروازے پر یا عمومی راستے میں کنواں کھودنا۔

2- جو شاذ و نادر مفسدہ اور خرابی کا ذریعہ بنتا ہو، جیسے ایسی جگہ کنواں کھودنا، جو شاہراہ عام نہ ہو۔

3- جن کے مفسدہ کا ذریعہ بننے کا غالب گمان ہو، جیسے زمانہ جنگ میں اسلحہ فروخت کرنا۔

4- جو مفسدہ اور خرابی کا بکثرت ذریعہ بنتے ہوں؛ لیکن نہ اتنا زیادہ کہ اکثر بنے اور نہ اتنا کم کہ کبھی کبھی بنے۔ (الموافقات للشاطبي: 2/ 242)

ظاہر ہے کہ اعضاء کی پیوند کاری کا جواز انسانی قتل کے لئے زیادہ سے زیادہ ذریعہ کے چوتھے درجے کے تحت آئے گا، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ اس کے غیر معتبر ہونے کے قائل ہیں، یعنی یہ ممنوع نہیں ہے۔ (اصول الفقه الاسلامی: 2/ 186)۔ لہذا اعضاء کی پیوند کاری کے ناجائز ہونے کی یہ بھی وجہ نہیں بن سکتی ہے۔

خلاصۂ بحث

اس پوری تحقیق کے بعد یہ حقیر جس نتیجے پر پہنچا ہے، وہ یہ ہے:

الف: جمادات و نباتات سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری کی جائے۔

ب: اگر جمادات و نباتات سے علاج ممکن نہ ہو تو حیوانات کے اعضاء سے پیوند کاری کی جائے۔

ج: اگر حیوان کے اجزاء سے بھی علاج ممکن نہ ہو تو آخری درجے میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی درج ذیل شرائط کے ساتھ گنجائش ہے:

1- ماہر اطباء نے یہ بتادیا کہ علاج کی بس یہی صورت رہ گئی ہے؛ تاکہ ضرورت کا تحقق ہو جائے۔

2- عضو دینے والا اگر زندہ ہو، تو اس نے اس کی اجازت دی ہو؛ اس لیے کہ قاعدہ ہے: الاضطرار لا يبطل حق الغير .

3- ایسا عضو یا جز لیا جائے، جس کا لینا اس کے دینے والے کے لیے مہلک یا ضرر شدید کا باعث نہ ہو اور نہ ہی اس سے تغییر خلق اللہ لازم آئے۔ جیسے گردہ، رگ، چمڑا، گوشت وغیرہ لیے جاسکتے ہیں، دل آنکھ غیرہ نہیں؛ اس لئے کہ ایک ضرر کو دوسرے مساوی ضرر سے دور نہیں کیا جائے گا۔ إن الضرر لا يزال بمثله ولا بما هو أشد منه.

4- اگر عضو مردہ کا لیا جائے تو شرط ہے کہ اس نے زندگی میں اس کی اجازت دی ہو، یا مرنے کے بعد اس کے وارثین اجازت دیں؛ اس لیے کہ اضطرار کی وجہ سے بھی دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا ہے۔ البتہ مردہ کے دل، آنکھ غیرہ کو بھی لیا جاسکتا ہے؛ اس لیے کہ ہلکے ضرر کا بڑے ضرر کو دور کرنے کے لئے تحمل کیا جاسکتا ہے۔

فقہ اکیڈمی جدہ، فقہ اکیڈمی انڈیا نے بھی علماء کی ایک بڑی تعداد کے اتفاق کے ساتھ اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے جواز کا فیصلہ کیا ہے۔

د: ضرورت کے وقت اعضاء کی خریداری کی گنجائش ہے، جب اس کے فراہمی کی دوسری صورت نہ ہو؛ البتہ اسے فروخت کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ ایسی اشیاء جن سے ضرورتاً انتفاع درست ہو، اس سلسلے میں حنفیہ کا اصول یہی ہے کہ اس کو سخت حاجت کے وقت خریدا جاسکتا ہے، فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب، و علمه أتم و أحكم.

مصادر و مراجع

القرآن الكريم
سنن الترمذی
سنن ابي داؤد
المستدرك للحاكم
السيرة الحلبية
بدائع الصنائع
تحفة الفقهاء

الدر المختار
رد المحتار
الكفاية شرح الهداية
منحة الخالق على البحر الرائق
الشرح الكبير
روضة الطالبين
مغنى المحتاج
الحاوي الكبير
المغني لإبن قدامة
الموافقات للشاطبي
اصول الفقه الاسلامى
مجله تاريخ العرب والعالم ، العدد 42